محمد صدیق بخاری

تعصب اور تنگ نظری

وہ ایک بڑے مفتی صاحب کا گھر تھا اور انگریزی کا استاد ان کے بچوں کو انگریزی پڑھا رہا تھا۔ دوران تعلیم میں 'ابلیس' کا ذکر آیا تو مفتی صاحب کی بیٹی، جو کہ آٹھویں جماعت کی طالبہ ہے، نے پوچھا: سر، ابلیس کسے کہتے ہیں؟ استاد نے کہا: بیٹا، شیطان کو۔ بچی ایک لمحے کو چونکی۔ استاد نے پوچھا کہ بیٹا، کیا ہوا؟ بچی نے کہا: لیکن... لیکن... سر...، وہ... میرے ابو تو کہتے ہیں کہ شیطان، غامدی کو کہتے ہیں۔ استاد نے بات کا رخ بدل دیا، لیکن کتنے ہی دن وہ یہ سوچتا رہا کہ دنیا کی مختلف جامعات سے فارغ التحصیل ایک سند یافتہ عالم اور مفتی کل قیامت کو اللہ کے حضور اپنے الفاظ کو کیسے ثابت کرے گا۔ شاید لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے منہ سے نکلے الفاظ خلا میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اے کاش، ایسا ہوتا...! لیکن ایسا ہرگز نہیں، کیونکہ 'ما یلفظ من قول إلا لدیه رقیب عتید'۔

وہ سادہ سا نیک دل نوجوان بچپن سے ہی نماز روزے کا پابند تھا۔ ایف اے کے بعد اس نے سوچا کہ عالم دین بنا جائے۔ چنانچہ اس نے ایک مخصوص مسلک کے مدرسے میں داخلہ لے لیا۔ اس داخلے سے پہلے بھی وہ نمازی تھا اور اس کا چہرہ بھی ڈاڑھی آشنا تھا، لیکن اس داخلے کے بعد اس میں یہ تبدیلی آئی کہ وہ نماز کے لیے خاص مسلک کی مسجد ڈھونڈنے لگا اور پھر کچھ دیر بعد یہ تبدیلی بھی آئی کہ وہ امام مسجد کی ڈاڑھی کا سائز بھی چیک کرنے لگا اور پھر کچھ عرصہ بعد وہ ٹوپی، پگڑی کے رنگ کا دھیان بھی کرنے لگا۔ جوں جوں اس کے سال گزرتے گئے، وہ ایک مخصوص رنگ میں رنگنے لگا اور آج، جب کہ وہ اس مدرسے کے آخری سال میں پڑھ رہا ہے، اسے اپنے مسلک سے وابستہ لوگوں کے علاوہ باقی سب کے بارے میں یقین ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے کافر ہیں، جب کہ مجھے یقین ہے کہ وہ جب مکمل فارغ التحصیل ہو جائے گا تو آج کے یہ چھوٹے چھوٹے کافر اس کے لیے بڑے بڑے

کافر بن چکے ہوں گے۔

مدارس میں پڑھنے والوں کے ہاں عمومی طور پر ایسی تبدیلی کیوں آ جاتی ہے، اس کی وجہ جاننے کی سنجیدہ کوشش قومی سطح پر کبھی نہیں کی گئی اور نہ ہی مستقبل میں ایسی کوئی امید نظر آتی ہے۔ پہلے میرے جیسے لوگ یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتے تھے کہ یہ تعصب اور تنگ نظری نچلی سطح پر پائی جاتی ہے، مگر مفتی صاحب اور اس جیسی چند اور مثالیں دیکھ کر اب یہ یقین ہو چلا ہے کہ خرابی اصل میں کہیں اور ہے اور جب تک رسی کے اس سرے تک نہ پہنچا جائے گا، یہ ڈور سلجھنے والی نہیں۔

ہمارے خیال میں خرابی اصل میں، تصور دین میں پوشیدہ ہے۔ دین کیا ہوتا ہے، دین اور فقہ میں کیا فرق ہے، دین کا ماخذ کیا ہے اور دین کی وسعت کیا ہے، ہر انسان کی زندگی میں دین کا کیا رول ہے اور یہ کہ کلچر اور دین میں کیا فرق ہے؟ ان سب باتوں کا جواب ہر ہر طالب علم کو روز اول سے ہی مل جانا چاہیے۔ یہ جوابات طالب علم کو جس شکل میں ملیں گے، دین کی ویسی ہی تصویر اس کے ذہن پر مرتسم ہوتی چلی جائے گی اور پوری زندگی وہ اسی کے گرد گھومتا رہے گا۔ ہمارے ہاں ان سوالات کو ایڈریس ہی نہیں کیا جاتا اور طالب علم عمر بھر یہی سمجھتا رہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا عرب کلچر یا قرون اولیٰ میں لکھی گئیں فقہی کتب میں درج آرا یا اس کے اساتذہ کے ارشادات ہی اصل دین ہیں۔

دین کا ماخذ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ انھی سے قرآن ملا ہے اور انھی سے سنت۔ لیکن ہمارے ہاں المیہ یہ ہو گیا ہے کہ دین کا ماخذ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہو کر اماموں تک محدود ہوا، اور اب روبہ زوال ہوتے ہوتے حالت یہاں تک آ گئی ہے کہ دین کا ماخذ ہر طالب علم کا اپنا مسلک، اپنا مدرسہ یا اپنا استاد رہ گیا ہے۔ جس طرح دین کا ماخذ سکڑتے سکڑتے ایک مدرسے تک محدود ہو گیا ہے، اسی طرح وہ دین جو پوری انسانیت کا دین تھا، سمٹتے سمٹتے ایک مسلک یا جماعت کا دین بن کر رہ گیا ہے۔

دین اور دین داروں کی وسعت قلبی کا کیا عالم تھا، اس کے لیے ضروری ہے کہ طلبا کو صحابہ کی زندگی اور ان کے خیالات سے آشنا کرایا جائے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مصر کے دار الخلافے کا محاصرہ کیا ہوا تھا، آپ کو مخبروں نے اطلاع دی کہ شہر کا شہر مسلمان ہونے کو بے تاب ہے، مگر انھیں یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ ایک ترقی یافتہ قوم صحرا کے بدوؤں کا کلچر کیسے اختیار کرے گی۔ یہ سن کر آپ نے شہر کے تمام رؤسا کی دعوت کا انتظام کیا۔ خود بھی مصری لباس پہنا،

باورچیوں کو بھی مصری باورچیوں کا سا رسمی لباس پہنایا اور کھانے بھی خالص مصری انداز کے پکائے۔ دستر خوان تک کی ہیئت میں مصری انداز اختیار کیا۔ مصری رؤسا جب دعوت میں آئے تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ انھیں لگا گویا وہ کسی مصری تقریب میں ہی شریک ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد حضرت خالد بن ولید نے چھوٹا سا خطاب فرمایا، جس میں ارشاد فرمایا: ''مصر والو، جب ہم تم میں آئیں گے تو تمھارا لباس اور کلچر اختیار کریں گے۔ مصر میں ہم یوں ہوں گے جیسا کہ تم نے ہمیں دیکھا ہے، صحرا میں ہم یوں ہوں گے جیسا کہ تم نے ہمارے بارے میں سنا ہے اور میدان جنگ میں ہم یوں ہوں گے جیسا کہ تم نے ہمیں آزمایا ہے۔ فیصلہ تمھارا اپنا ہے''۔ اگلے دن شہر نے حضرت خالد بن ولید کے لیے دروازے کھول دیے۔

صحابہ کے تصور دین کی وضاحت کے ساتھ ساتھ دین کے ہر طالب علم کو یہ بات ازبر کرانے کی اشد ضرورت ہے کہ یہ دین، ایک عالم گیر دین ہے، سب زمانوں کے لیے ہے اور سب انسانوں کے لیے ہے، اس لیے کسی امر کو دین کہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس معیار پر پورا اترے، یعنی وہ امر ایسا ہو کہ جسے سب انسان پورا کر سکیں، ہر زمانے میں کر سکیں اور ہر علاقے میں کر سکیں۔ اگر دین کے نام پر کوئی ایسی ہدایت دی جا رہی ہے کہ جسے کسی خاص علاقے کے لوگ کسی خاص موسم یا حالات میں ادا کر سکتے ہیں تو وہ رسم، رواج، کلچر یا معاشرتی آداب جیسی کوئی چیز تو ہو سکتی ہے، دین نہیں۔ یہی وہ اصل بات ہے جسے ذہن نشین نہ کرانے کی وجہ سے وہ تعصب اور تنگ نظری جنم لے رہی ہے کہ جس کی مثال مفتی صاحب اور وہ سادہ سا نیک دل نوجوان ہے۔